پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی ★

فاروق اعظمؓ اور حدیث نبوی ﷺ

ہمارے ہاں مخصوص طرزِ فکر کے لوگ حدیث کے متعلق بدگمانیوں کو مختلف طریقوں سے ہوا دے رہے ہیں۔ انہوں نے قرآنِ مجید کی عظمت کے خوشنما الفاظ کے پردے میں حدیث پاک کی بساط لپیٹنے کی کوشش کی۔ اختلافِ روایت کو بہانہ بنا کر حدیث نبوی کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا۔ جھوٹی حدیثوں کا بہانہ بنا کر حدیث کے خلاف زہر اگلا اور تدوینِ حدیث کے طریق کار کو محل نظر قرار دے کر ذخیرۂ حدیث کو عجمی سازش کا نام دیا۔ لیکن ان سب سے زیادہ کامیاب حربہ اور کارگر تدبیر یہ سوچی گئی کہ اکابرین امت کو منکرین حدیث ثابت کیا جائے۔ چنانچہ نظرِ انتخاب دو محتاط بزرگوں پر پڑی۔ ایک حضرت عمر فاروقؓ اور دوسرے امام ابو حنیفہؒ[1]۔ یہ دونوں بزرگ امت میں اپنا خاص مقام رکھتے ہیں۔ لیکن چونکہ حضرت عمرؓ اپنے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے بھی اور رسالتمآب ﷺ سے تعلق و نسبت کی وجہ سے بھی مقدم ہیں اس لئے اس وقت ہم اس سے بحث کریں گے کہ آیا حضرت عمرؓ روایت حدیث کے مخالف تھے؟ کیا اشاعت حدیث میں ان کا انداز معاندانہ تھا؟ اس سے قبل کہ ہم اس کا علمی تجزیہ، تحقیقی اصولوں کے مطابق کریں اور ان کی جانچ پڑتال کر لینے کے بعد کسی نتیجہ تک پہنچیں یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ تمام اقوال اور امور مجتمع کریں، جن سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ حضرت عمرؓ روایت حدیث کے مخالف تھے اور وہ دلائل بھی سامنے رکھیں۔ جن سے آپ کا مسلک انکار حدیث مترشح ہوتا ہے۔ سب سے پہلے ہم علامہ ذہبیؒ کا وہ بیان لکھتے ہیں جو انھوں نے تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عمرؓ کے حالات میں لکھا ہے:

عن قرظه بن كعب قال لما سيرنا الى العراق مشى معنا عمر وقال اتدرون لم شيعتكم؟ قالوا نعم! مكرمه لناقال ومع ذلك فانكم تاتون على اهل القريه لهم دوى كدوى النحل فلا تصدوهم بالاحاديث فتشغلوهم جودوا القرآن واقلوا الروايه عن رسول الله وانا شريككم فلما قدم قرظه قالوا حدثنا! قال نهانا عمر[2]

★ سینئر پروفیسر ادارہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی

(۱) دیکھئے امام ابو حنیفہ کے رویۂ حدیث پر مولانا محمد علی کاندھلوی کی مفصل کتاب "امام اعظم اور علم حدیث"

(۲) الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ۱/۷، مطبوعہ مصر۔

قرظہ ابن کعب سے مروی ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے ہمیں عراق روانہ کیا تو خود مشایعت کو نکلے اور فرمایا: کیا تم کو معلوم ہے کہ میں کیوں تمہارے ساتھ ساتھ آتا ہوں؟ لوگوں نے کہا ہماری عزت افزائی کو۔ فرمایا ہاں! لیکن اس کے ساتھ یہ غرض بھی ہے کہ تم ایسے مقام میں جاتے ہو جہاں لوگوں کی آواز شہد کی مکھی کی طرح قرآن مجید پڑھنے میں گونجتی رہتی ہے۔ قرآن کو تجوید سے پڑھو۔ تم ان کو حدیثوں میں نہ روک لینا کہ تم ان کو مشغول رکھو۔ اور حضور سے روایت کم کرو اور میں تمہارا شریک ہوں۔ جب قرظہ پہنچے۔ تو لوگوں نے کہا۔ بیان کیجئے۔ انھوں نے کہا۔ ہمیں حضرت عمرؓ نے حدیث بیان کرنے منع کردیا ہے۔

عن ابی سلمه عن ابی هريرة قلت له كنت تحدث فی زمان عمر هكذا؟ فقال: لوكنت احدث فی زمان عمر مثل ما احدثكم لضربنی بمخفقة[۳]

ابو سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ سے پوچھا کہ آپ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی اس طرح احادیث بیان کرتے تھے تو انھوں نے کہا: اگر میں ایسا کرتا تو عمرؓ مجھ کو دُرے مارتے۔

ان عمر حبس ابن مسعود وابا الدرداء وابا مسعود الانصاری فقال قداكثرتم الحديث عن رسول الله[۴]

حضرت عمرؓ نے عبد اللہ ابن مسعود، ابوالدرداء اور ابو مسعود انصاری کو محبوس کیا اور کہا تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ روایتیں بیان کرنا شروع کردی ہیں۔

اس سے ملتی جلتی باتیں علامہ ابن عبد البرؒ نے "جامع بیان العلم" میں بیان کی ہیں۔ اسی کتاب میں مشہور محدث سفیان بن عیینہ کے بارے میں لکھا ہے کہ لوگ جب حلقۂ حدیث میں آتے تو ان کی طرف مخاطب ہو کر فرماتے:

لوادركنا واياكم عمر لاوجعنا ضربا[۵]

اگر ہمیں اور تمہیں عمرؓ پالیتے تو مار سے ضرور ڈراتے۔

تقریباً یہی باتیں ادل بدل کر پیش کی جاتی ہیں اور انہی پر منطقی استدلال کا تانا بانا بن کر لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مولوی عبد اللہ چکڑالوی سے لے کر برق اور پرویز صاحب تک سب لوگ حضرت عمرؓ کو انکار حدیث میں امام قرار دیتے چلے آرہے ہیں۔ یہ مسئلہ کوئی ایسا دقیق نہیں جس کے لئے گہرے فکر اور عمیق نظر کی ضرورت ہو، سرسری

(۳) تذکرۃ الحفاظ، ۱/۷

(۴) ایضاً

(۵) ابن عبد البر، جامع بیان العلم، ۱/۱۳۵

مطالعۂ عبارات اور سیاق و سباق کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات خود بخود واضح ہوجاتی ہے۔ تاہم مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر اسے نظر انداز نہیں کیاجاسکتا۔

ہمارے علماء کرام نے اس مسئلہ پر قلم اٹھایا ہے اور انہوں نے ایک طالب علم کے لئے تسلی بخش اشارات و توضیحات اکٹھی کردی ہیں۔

عملاً تو ایسے تمام اقوال سے فقط یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کثرت روایت سے منع فرماتے تھے۔ لیکن سہولت تجزیہ کے لئے ہم اسے دو حصوں میں تقسیم کردیتے ہیں۔

(الف) قرظہ بن کعبؓ، ابو ہریرہؓ اور سفیان ابن عینیہ کے اقوال۔

(ب) حبس صحابہ کرامؓ

(ا) سب سے پہلے ہم ان تین اقوال سے بحث کرتے ہیں۔

میں نے ان اقوال کو بار بار پڑھا اور ان سے گہرا مطلب اخذ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن مجھے ان تینوں اقوال میں سے ایسے کسی انکار حدیث کا کوئی سراغ ملا نہ کسی قول سے مخالفت حدیث کی بو آئی۔ زیادہ سے زیادہ جو کچھ میرا ذھن اخذ کرسکا یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ سب احتیاط اس لئے کی کہ کہیں قرآن و حدیث میں اختلاط نہ ہوجائے۔

قرظہ بن کعب والی حدیث پر مولانا ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں:

"معاذاللہ یہ مطلب نہیں تھا کہ حدیث نبوی حجت نہیں ہے۔ اور روایت حدیث گناہ ہے۔ ورنہ اگر یہ معنی ہوں تو مطلب یہ ہوگا کہ زیادہ روایت کرکے زیادہ گناہ مت کرنا۔ تمہارا گناہ کرنے میں میں تمہارا شریک ہوں"(۶)

اسے حضرت عمرؓ کا محتاط رویہ توکہاجاسکتا ہے۔ لیکن انکار حدیث کا طرز عمل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ رائے قائم کرنے میں، میں اکیلا نہیں۔ تمام اکابر امت اور علمائے امت بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔ خود علامہ ذھبیؒ نے بھی جن کے حوالے سے تینوں اقوال نقل کئے گئے ہیں۔ تمہیداً جو کچھ فرمایا ہے۔ اسے عام طور پر نظر انداز کردیاجاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

وقدکان عمرؓ من وجله یخطی الصاحب علی رسول الله یامرهم ان یقلوا الروایة عن نبیهم ولئلا یتشاغل الناس بالاحادیث عن حفظ القرآن(۷)

---

(۶) حجیت حدیث ص ۱۴۱ مطبوعہ لاہور

(۷) تذکرہ الحفاظ، ۱/۷

حضرت عمرؓ اس ڈر سے کہ صحابہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم علیہ وسلم سے روایت کرنے میں غلطی نہ کریں۔ ان کو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہ سے روایت کم کریں تاکہ لوگ حدیث میں مشغول ہو کر حفظ قرآن سے غافل نہ ہوجائیں۔

مورخ بلاذری نے "انساب الاشراف" میں روایت نقل کی ہے کہ لوگوں نے جب حضرت عمرؓ سے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا۔

لولا انی اکره ان ازید فی الحدیث اونقص فحدثتکم به[۸]

اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ روایت حدیث میں مجھ سے کمی بیشی ہوجائے گی تو میں تم سے حدیث بیان کرتا۔

شاہ ولی اللہ محدث دھلوی نے " ازالۃ الخفاء " میں حضرت عمرؓ کے قول کی تاویل کی ہے۔ کہ اس سے مراد شمائل وعادات کی احادیث ہیں[۹]

صاحب سنن دارمی نے اپنی مسند میں قرظہ بن کعب کی حدیث نقل کر کے لکھا ہے کہ اس سے مراد غزوات کی خبریں ہیں[۱۰] لیکن بقول علامہ شبلی یہ دور از کار تاویلات ہیں[۱۱]

حضرت عمرؓ کا یہ طرز عمل جس احتیاط پسندانہ حکمت عملی پر مبنی تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ امت کے اندر قرآن و حدیث کے درمیان فرق نمایاں ہے۔ نیز قرآن کی حفاظت اور احادیث کی تنقیح وتعدیل بھی بنیادی طور پر حضرت عمرؓ کے طرز عمل کا نتیجہ تھا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا طرز عمل در اصل ھادیٔ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کا اتباع تھا کیونکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم حفاظت قرآن میں بڑی کوشش کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ تو متن حدیث کو فقیہانہ اور محدثانہ نظر سے جانچا بھی کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا امت مسلمہ پر یہ احسان ہے۔ کہ انھوں نے کھرے اور کھوٹے، صحیح اور غلط کے درمیان تمیز کرنے کا قرینہ سکھایا۔ لیکن ان حضرات نے انہیں بھی منکر حدیث قرار دیا۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

ہمارے اس خیال کی تائید علامہ ابن عبد البرؒ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں: "جن لوگ کو واقعات

---

(۸) انساب الاشراف بحوالہ الفاروق از شبلی نعمانی، ۳۳۶

(۹) ازالۃ الخفاء، ۱۴۱/۲

(۱۰) دارمی، ۴۵-۴۸، مطبع نظامی، کانپور

(۱۱) الفاروق، ۳۳۶

کا صحیح علم نہ تھا اور بدعات کے پیدا کرنے کا جن میں زیادہ شوق پایا جاتا تھا۔ سنت سے جن قلوب میں گرانیاں تھیں۔ انہوں نے مذکورہ بالا روایتوں سے جو حضرت عمرؓ کی طرف منسوب ہیں۔ یہ نتیجہ پیدا کرنا چاہا کہ حضرت عمرؓ مسلمانوں کے ذہن سے حدیثوں کو بالکلیہ خارج کردینا چاہتے تھے۔(۱۲)

علامہ ابن عبد البر نے اس پر بڑی مفصل بحث کی ہے۔ انہوں نے دلائل سے ثابت کیا کہ حضرت عمرؓ اکثار روایات سے مصلحتاً روکتے تھے کہ جھوٹ اور سچ کی آمیزش نہ ہوجائے۔ نیز قرآن وحدیث کی تمیز برقرار رہے۔

علامہ ابن عبد البر کے الفاظ یہ ہیں۔

هذا يدل على ان نهيه عن الاكثار وامره بالاقلال من الروايه عن رسول الله انما كان خوف الكذب على رسول الله وخوفاً ان يكون مع الاكثار(۱۳)

یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کا کثرت روایت سے منع کرنا اور کم روایت کا حکم دینا یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ گھڑے جانے کا خوف تھا اور اس خطرے کے پیش نظر کہ کثرت روایت میں اس کے امکانات ہیں۔ آگے چل کر فرماتے ہیں:

ولوكره الرواية وردمنه النهى عن الاقلال منها اوالاكثار(۱۴)

اگر آپ روایت ہی کو ناپسند کرتے تو قلت وکثرت دونوں کے متعلق نہی وارد ہوتی۔

صاحب جامع بیان العلم نے اس لطیف بحث میں عمدہ نکتہ بیان فرمایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کثرت روایت کی مخالفت اور قلت روایت کا حکم حضرت عمرؓ نے اس لئے دیا تھا کہ کثرت کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات منسوب ہوجانے کا اندیشہ تھا اور یہ خوف بھی تھا کہ جو حدیثیں لوگوں کے پاس اچھی طرح محفوظ نہ ہوں اور حافظے پر بھی بھروسہ نہ ہو تو لوگ محض قول بیان کرنے میں جری ہوجائیں گے انہوں نے استدلال میں یہ بیان فرمایا:

ان ضبط من قلت روايته اكثرمن ضبط المتكثر وهوالابعد من السهو والغلط الذى لايومن مع الاكثار(۱۵)

بیشک اس آدمی کا ضبط جس کی روایتیں کم ہیں، اس آدمی سے زیادہ ہے جس کی روایتیں زیادہ ہیں اور کم روایت

(۱۲) ابن عبد البر، جامع بیان العلم، ۱۳۱/۲

(۱۳) جامع بیان العلم، ۱۲۲/۲

(۱۴) ایضاً، ۱۲۲/۲

(۱۵) ایضاً

والا آدمی اس بھول اور غلطی سے بہت دور ہے جس سے کثرت روایت میں محفوظ نہیں رہا جاسکتا۔

اسی بنا پر آپ روایت قبول کرنے میں احتیاط سے کام لیتے تھے۔

مثلاً ایک دفعہ سقط کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمرؓ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ مغیرہؓ نے اس کے متعلق ایک روایت بیان کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا: اس کے لئے کوئی گواہ لاؤ۔ محمد بن مسلمہ نے اس کی تصدیق کی تو فاروق اعظمؓ نے تسلیم کرلیا(۱۶) اسی طرح حضرت عباسؓ کے مقدمہ میں ایک حدیث پیش کی گئی تو آپ نے اس کی تائیدی شہادت طلب کی اور جب بہت سے لوگوں نے تائیدی شہادت دی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھ کو تمھاری نسبت بدگمانی نہ تھی لیکن میں نے حدیث کی نسبت اپنا اطمینان کرنا چاہا تھا۔(۱۷)

ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعریؓ حضرت فاروقؓ سے ملنے آئے اور تین بار استیذان کے طور پر کہا: السلام علیکم! ابو موسیٰ حاضر ہے! حضرت عمرؓ اس وقت کسی کام میں مصروف تھے اس لئے متوجہ نہ ہوسکے۔ کام سے فارغ ہوئے تو فرمایا ابو موسیٰ کہاں ہے؟ وہ آئے تو کہا واپس کیوں گئے؟ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ تین دفعہ اذن مانگو اگر اس پر بھی اجازت نہ ملے تو واپس آجاؤ۔ امیر المومنین نے فرمایا کہ اس روایت کا ثبوت دو ورنہ سزا دوں گا۔ ابو موسیٰ صحابہؓ کے پاس گئے اور حقیقت حال بیان کی۔ چنانچہ ابو سعیدؓ نے آکر شہادت دی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے۔ جناب ابی بن کعب نے کہا عمرؓ! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو عذاب دینا چاہتے ہو؟ فرمایا نہیں! میں نے تو روایت سنی تھی اس کی تصدیق کرنا چاہی(۱۸)

روایت حدیث میں احتیاط کا سبب

حضرت عمرؓ کا یہ طرز عمل ان کا اپنا اختیار کردہ نہیں بلکہ اس کے پس منظر میں وہ خاص تربیت کام کررہی تھی، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفقاء کی فرمائی تھی۔ اس کا اثر تقریباً ہر فیض یافتہ صحابی پر تھا۔ حضرت عمرؓ چونکہ منتظم تھے اور باقی لوگوں کی نسبت زیادہ ذمہ دار تھے۔ اس لئے آپ کی تدابیر زیادہ نمایاں ہوگئیں۔ ورنہ روایت حدیث کے بارے میں اس طرح کی احتیاط ہمیں اور بزرگوں سے بھی ملتی ہیں۔ مثلاً ابو ہریرہؓ جو مکثرین صحابہ سے ہیں حضرت عمر کو یوں جواب دیتے ہیں۔

(۱۶) تذکرۃ الحفاظ، ۱/۷-۸

(۱۷) ایضاً، ۱/۸

(۱۸) ایضاً، ۱/۶

روی ان عمر قال لابی ھریرۃ حین بدأ یکثر من الحدیث اکنت معنا حین کان فی مکان کذا؟ قال نعم! سمعت رسول اللہ یقول من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعدہ من النار. فقال لہ عمر اذا ذکرت ذلک فاذھب فحدث[۱۹]

روایت ہے جب حضرت ابو ہریرہ نے بکثرت حدیثیں بیان کرنا شروع کیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کیا تم فلاں جگہ ہمارے ساتھ تھے؟ تو حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا ہاں! میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جو شخص مجھ پر جھوٹ گھڑے گا۔ اسے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالینا چاہیئے تو حضرت عمرؓ نے کہا اگر تمہیں یہ یاد ہے تو جاؤ حدیثیں بیان کرو۔ اسی طرح حضرت انسؓ اور حضرت زبیرؓ کے متعلق آیا ہے۔

قال انس انہ یمنعنی ان احدثکم حدیثاً کثیراً ان النبی قال من تعمد علی کذباً فلیتبوا مقعدہ من النار[۲۰]

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات زیادہ حدیثیں بیان کرنے سے روکتی ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی مجھ پر عمداً جھوٹ گھڑے گا۔ اسے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنانا چاہیئے۔

قال ابن زبیرؓ قال قلت لزبیرؓ انی لااسمعک تحدث کفلان وفلان قال اما انی لم افارقہ ولکن سمعتہ یقول من کذب علی فلیتبوأ مقعدہ من النار[۲۱]

ابن زبیرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت زبیرؓ سے پوچھا کہ میں آپ کو فلاں فلاں شخص کی طرح حدیثیں بیان کرتا ہوا نہیں سنتا تو انہوں نے کہا جہاں تک میرا تعلق ہے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی جدا نہیں ہوا۔ لیکن میں نے ان سے یہ سنا ہے جو شخص مجھ پر جھوٹ گھڑے گا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔

بخاری کی "کتاب العلم" اور مسلم کے" باب تغلیظ الکذب علی رسول اللہ" میں اس طرح کی احادیث بکثرت ہیں۔ مجھے اس موقع پر صرف یہ بتانا ہے کہ صحابہ کرام کو جہاں ارشادات نبوی پھیلانے اور اپنے محبوب رہنما کے اقوال وافعال کے تذکرے کا اشتیاق تھا۔ وہاں یہ احتیاط بھی ان کے پیش نظر تھی کہ جھوٹی بات منسوب کرنے سے ایمان و آخرت دونوں ضائع ہوجائیں گے۔ یہ ہے وہ پس منظر جس میں حضرت عمرؓ ہی نہیں، ہر صحابی محتاط تھا اور محتاط رویہ

---

(۱۹) مسلم، الجامع، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی، ۳۵/۱

(۲۰) مسلم، الجامع، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی، ۳۵/۱

(۲۱) ایضاً

اختیار کرنے پر مجبور تھا۔ اس بات کا قوی امکان تھا کہ لوگ جھوٹ اور سچ ملا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے جیسا کہ بعد میں ہوا لیکن حضرت عمرؓ کی اس پالیسی کا کم ازکم یہ اثر ضرور ہوا کہ کوئی شخص بغیر احتیاط کے حدیث بیان نہ کرتا تھا۔ علامہ ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں حضرت امیر معاویہؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

علیکم من الحدیث لما کان فی عهد عمر فانه قد اخاف الناس فی الحدیث عن رسول الله(۲۲)

حضرت عمرؓ کے عہد مبارک میں جو حدیثیں رائج تھیں، ان کو لازم پکڑو۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بلااحتیاط حدیث کی روایت سے ڈرا دیا تھا۔

مسلم نے حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

"شیطان ایک مرد کی صورت میں جماعت کے پاس آئے گا اور ان سے جھوٹی احادیث بیان کرے گا جس کی وجہ سے لوگ متفرق ہوجائیں گے۔ ان میں سے ایک شخص کہے گا کہ میں نے یہ حدیث ایسے شخص سے سنی ہے جس کا چہرہ میں جانتا ہوں لیکن اس کو نہیں جانتا۔(۲۳)

"ایک زمانہ تھا کہ جب کوئی شخص ہمارے سامنے کہتا قال رسول اللہ تو ہماری نگاہیں فوراً اٹھ جاتی تھیں اور ہم پوری توجہ سے اس کی روایت سنتے تھے مگر اب لوگوں نے سچ اور جھوٹ ثقہ اور غیر ثقہ خلط ملط کردیا ہے"(۲۴)

یہ احساس اس دور کے ہر صاحب علم کو تھا کہ عقیدت کا غلو لوگوں میں جھوٹی حکایات نشر نہ کرادے۔ اسلیے سبھی محتاط تھے ورنہ حضرت عمرؓ اس احتیاط سے زیادہ نظریہ نہ رکھتے تھے۔

ب۔ حبس صحابہؓ

اب رہی حبس صحابہ کرامؓ والی روایت جسے منکرین حدیث بہت زیادہ اچھال رہے ہیں۔ سب کے نزدیک موضوع ہے۔ علامہ ابن حزم ظاہری جو روایت بالحدیث اور تمسک حدیث میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ اپنی کتاب میں اس روایت کا تجزیہ کرتے ہیں اور اس کی روایت کو ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں۔ ان کا آخری جملہ قابلِ غور ہے۔ فرماتے ہیں:

ان الخبر فی نفسه ظاهر الکذب والتولید(۲۵)

---

(۲۲) تذکرۃ الحفاظ، ۱/۷

(۲۳) مسلم، الجامع، مقدمة، باب فی الضعفاء والکذابین ۔۔، ۹/۱

(۲۴) مسلم، الجامع، مقدمة، باب فی الضعفاء والکذابین، ۹/۱

(۲۵) ابن حزم ظاہری، کتاب الاحکام، ۱۲۰/۳

یہ روایت بنفسہ کذب وافتراء کا نمونہ ہے اس لئے کہ اس سے ایک طرف کبار صحابہ کرامؓ پر اتہام ثابت ہوتا ہے اور دوسری طرف تبلیغ کے بارے میں روکنا اور دین کے احکام کا اخفاء لازم آتا ہے اور یہ کسی عام مسلمان کے شایان شان نہیں چہ جائیکہ حضرت عمرؓ جیسا شخص اس کا ارتکاب کرے۔

ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی اپنے مقالے میں اس روایت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"میں نے کوشش کی ہے کہ کسی حقیر کتاب میں مجھے یہ روایت مل جائے لیکن میں ناکام رہا ہوں۔ اور روایت کا موضوع ہونا واضح ہے۔ ابن مسعودؓ ایک جلیل القدر صحابی اور سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے دل میں ان کی بڑی عزت تھی۔ حتیٰ کہ جب ابن مسعودؓ کو انہوں نے باہر بھیجا تو فرمایا کہ میں انہیں اپنے پاس رکھنے کے بجائے تمہارے پاس بھیجنے میں بڑے ایثار سے کام لے رہا ہوں۔ جہاں تک حضرت ابودرداءؓ کا تعلق ہے ان سے اتنی احادیث مروی بھی نہیں ہیں۔ کہ انہیں مکثرین میں شمار کیا جائے۔ علاوہ ازیں ابو الدرداءؓ بھی ابن مسعودؓ کی طرح شام میں مسلمانوں کے معلم تھے۔"[۲۶]

عقلاً یہ بات بڑی تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے کہ ایک طرف مکثرین صحابہؓ ابو ہریرہؓ، عبداللہ ابن عمرؓ اور عبداللہ ابن عباسؓ کو کچھ نہ کہا جائے اور دوسری طرف تھوڑی روایت کرنے والوں کو دھر لیا جائے۔ ایک طرف انہیں معلم المسلمین بنا کر بھیجا جاتا ہے اور دوسری طرف انہیں قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ عقلِ عام پر بھی یہ بات بڑی گراں گزرتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت عمرؓ کا مقصد قطعاً یہ نہ تھا کہ لوگوں کو حدیث سے کلیۃً روک دیا جائے بلکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ انہی حدیثوں تک لوگ اپنے بیان کو محدود رکھیں جن کے متعلق انہیں پورا اطمینان ہو۔ آپ نے غالباً ایک موقعہ پر فرمایا تھا:

من وعاها وعقلها وحفظها فليحدث بها[۲۷]

جس نے اسے محفوظ رکھا اور اسے یاد رکھا اسے چاہئے کہ اسے بیان کرے۔

حضرت عمرؓ کے متعلق سطحی پروپیگنڈہ کا تجزیہ کرنے کے بعد ہم حضرت عمرؓ کا مثبت رویہ پیش کرتے ہیں اور اس میں گفتگو دو طرح ہو سکتی ہے۔ (الف) اشاعت حدیث میں حضرت عمرؓ کے احکام (ب) کیا حضرت عمرؓ نے خود بھی روایت حدیث کی؟

(۲۶) مصطفیٰ السباعی، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ۱۵، مترجم ملک غلام علی، طبع لاہور۔ اس موضوع پر ان کی ضخیم کتاب "السنة ومكانتها فى التشريع الاسلامى" بے نظیر ہے۔

(۲۷) جامع بیان العلم، ۲/۱۳۴

الف- احکام عمرؓ

حضرت عمرؓ نے اشاعت حدیث میں کافی دلچسپی لی ہے۔ انھوں نے مختلف علاقوں میں جلیل القدر صحابہ کرامؓ بھیج کر وہاں کے باشندوں کو طریق تعلیم کے سلسلے میں ہدایات دیں۔ شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

چنانچہ فاروق اعظم عبداللہ بن مسعود را باجمعے بکوفہ فرستاد و معقل بن یسار و عبداللہ بن معقل و عمران بن حصین را بہ بصرہ و عبادہ بن صامت و ابو درداء را بشام و معاویہ بن ابی سفیان کہ امیر شام بود مدعن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشاں تجاوز نہ کنند[۲۸]

چنانچہ فاروق اعظمؓ نے عبداللہ بن مسعود کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ بھیجا، معقل بن یسار، عبداللہ بن معقل اور عمران بن حصین کو بصرہ بھیجا اور عبادہ بن صامت و ابودرداءؓ کو شام، اس کے ساتھ ہی امیر شام معاویہؓ کو سخت تاکید لکھی کہ ان حضرات کی بیان کردہ احادیث سے تجاوز نہ کیا جائے۔

اگر ہم صرف ان کے خطبات و ہدایات ہی کو دیکھیں تو اندازہ ہو جائے گا کہ حضرت عمرؓ کو حدیث سے کتنی دلچسپی تھی۔ ابن عبدالبرؒ اور امام جلال الدین سیوطیؒ نے حضرت عمرؓ کا جو قول نقل کیا ہے۔ اس سے ان کی محبت حدیث کا پتہ چلتا ہے۔ فرماتے ہیں:

یاایہاالناس! ان الرای انماکان من رسول اللہ مصیباً لان اللہ کان یریہ وانما ہو مناالظن والتکلف(۲۹)

لوگو! جہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کا تعلق ہے سو وہ درست ہے۔ کیونکہ اللہ ان کی رہنمائی فرماتا تھا۔ لیکن ہماری رائے تو گمان اور تکلف ہے۔

علامہ ابن عبدالبرؒ نے حدیث قرظہؓ پر بحث کرتے ہوئے بڑے پتے کی بات کی ہے۔ کہتے ہیں:

فکیف یامرھم بالحدیث عنہ رسول اللہ وینہاھم عنہ ھذا؟ لایستقیم. بل کیف ینھاھم عن الحدیث عن نفسہ؟ بقولہ من حفظ مقالتی و وعاھا فلیحدث بہا حتی تنتھی بہ راحلتہ ثم قال ومن خشی ان لایعیہا فلایکذب علی[۳۰]

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ حضور ﷺ سے حدیث بیان کرنے کا حکم بھی دیں اور منع بھی کریں؟ یہ بات درست نہیں بلکہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ مطلق روایت کرنے سے روک دیں۔ جبکہ آپ کی یہ بات بھی موجود ہے کہ جس

(۲۸) ازالۃ الخفاء، ۲/۶

(۲۹) جامع بیان العلم، ۲/۱۳۴

(۳۰) جامع بیان العلم، ۲/۱۲۲

شخص نے میری بات کو یاد کیا اور محفوظ کیا تو اسے بیان کردے حتیٰ کہ اس سے اس کا زادِراہ بھی ختم ہو۔ پھر فرمایا کہ جسے یہ ڈر ہو کہ وہ محفوظ نہ رکھ سکے گا تو اسے مجھ پر جھوٹ نہیں گھڑنا چاہیے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں صحابہ کرام کتابت حدیث کی ضرورت و اہمیت پر متفق ہو چکے تھے حضرت عروہؒ کہتے ہیں۔

ان عمر بن الخطاب اراد ان یکتب السنن فاستفتی اصحاب رسول اللہ فی ذلک فاجمعوا علیہ ان یکتب[۳۱]

حضرت عمرؓ نے چاہا کہ حدیثیں لکھ دی جائیں۔ آپ نے اصحاب رسول اللہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے بالاتفاق لکھنے کی رائے دی۔

حضرت عمر فاروقؓ کا خود اپنا بھی یہی خیال ہو رہا تھا کہ احادیث و سنن کتابی شکل میں جمع کر دی جائیں۔ لیکن آپ نے اس خیال سے کہ کہیں اس کی وجہ سے قرآن حکیم کی جانب سے عدم التفات نہ ہو جائے۔ اس پر عمل نہ کیا لیکن بعد کو یہ شبہ جاتا رہا اور اس کی اہمیت واضح ہو گئی تو آپ نے حکم دیا کہ:

قیدوا العلم بالکتاب۔ علم کو احاطۂ تحریر میں لے آؤ۔

امام شاطبی رح نے موافقات میں حضرت عمرؓ کے وہ مکتوب نقل کیے ہیں جو انہوں نے قاضی شریح کے نام بھیجے تھے، ان میں سے دو اقتباس ہم پیش کر رہے ہیں۔ جن سے حضرت عمرؓ کے رویہ حدیث پر روشنی پڑتی ہے۔

اذ أتاک امر فاقض بما فی کتاب اللہ فان اتاک مالیس فی کتاب فاقض بما سن فیہ رسول اللہ انظر ما تبین لک فی کتاب اللہ فلا تسئل فیہ احداً ومالم یتبین لک فی کتاب اللہ فاتبع فی سنت رسول اللہ[۳۳]

جب کوئی مسئلہ پیش تو تم جو کچھ کتاب اللہ میں ہے۔ اس کے مطابق فیصلہ دو۔ اگر تمہارے پاس کوئی ایسا مسئلہ آئے جو کتاب اللہ میں نہیں تو تم اس طریق پر فیصلہ کرو۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس میں تھا۔ تم دیکھو جو چیز کتاب اللہ میں تمہارے لئے واضح ہے اس بارے میں کسی سے مت سوال کرو اور جو چیز کتاب اللہ میں واضح نہیں ہے اس میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرو۔

پھر حضرت عمرؓ نے حج کے موقع پر جو خطبات ارشاد فرمائے ہیں۔ ان میں بھی واضح اشارات ملتے ہیں۔

---

(۳۱) جامع البیان العلم

(۳۲)

(۳۳) شاطبی، الموافقات، ۴/۷

ایھاالناس! لم اعمل عمالاً لیضربوا ابناءکم ولالیاخذوا اموالکم وانماارسلتھم الیکم یعلموکم دینکم وسنة نبیکم (۳۴)

لوگو! میں اس لیے والی نہیں بناتا کہ وہ تمہارے بیٹوں کو ماریں اور نہ اس لیے کہ تمہارے مال چھین لیں۔ میں نے ان کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ تمہیں دین سکھائیں اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت۔

حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ کو والیٔ بصرہ بنایا تو ابو موسیٰ نے مجمع عام میں تقریر کی۔ ان کا یہ جملہ قابلِ غور ہے:

بعثنی عمر لاعلمکم کتاب ربکم وسنته نبیکم. (۳۵)

مجھے عمرؓ نے بھیجا ہے کہ میں تمہارے رب کی کتاب اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سکھلاؤں۔

آپ نے ایک مرتبہ خطبہ فرمایا:

ردوالجھالات الی السنة (۳۶)

ایک اور موقع پر فرمایا:

تعلموا الفرائض والسنه کما تتعلمون القرآن (۳۷)

فرائض اور سنت کو اسی طرح سیکھو جس طرح قرآن سیکھتے ہو۔

آپ حدیث کی روایت کے بارے میں جو رائے رکھتے تھے، اس کا پتہ ذیل کے قول سے ہو سکتا ہے۔ قیس بن عماد کہتے ہیں:

سمعت عمر بن الخطاب یقول من سمع حدیثاً فاداہ کما سمع فقد سلم (۳۸)

میں نے عمر بن خطاب سے سنا کہ جس نے حدیث سنی اور جو کچھ سنا تھا اسی کو اس نے ادا کر دیا تو وہ محفوظ ہو گیا۔

حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعری گورنر کوفہ کے نام اصول و آئین پر ایک فرمان لکھا جس میں صیغۂ عدالت کے تمام اصولی احکام درج تھے۔ ہم اس خط کو یہاں نقل کرتے ہیں۔

اما بعد فان القضاء فریضه محکمة و سنة متبعة سوّ بین الناس فی وجھک ومجلسک وعدلک ولایطمع

(۳۴) ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ۲۰۸/۱

(۳۵) سنن دارمی، ۶۵/۱

(۳۶) جامع بیان العلم، ۱۸۷/۲

(۳۷) جامع بیان العلم، ۱۲۳/۲

(۳۸) ایضاً، ۱۲۳/۲

الشریف فی حبفک البینۃ علی من ادعیٰ والیمین علیٰ من انکر والصلح جائزا لاصلحاً احل حراماً اوحرم حلالاً. لایمنعک قضاء قضیہ بالامس فراجعت فیہ نفسک ان ترجع الی الحق الفھم الفھم فیما یختلج فی صدرک مما لم یبلغک فی الکتاب والسنۃ واعرف الامثال والاشباہ ثم قس الامورعند ذلک واجعل لمن ادعی بینۃ امداً ینتھی الیہ فان احضرت البینۃ اخذت لہ بحقہ والا وجھت القضاء علیہ والمسلمون عدول بعضھم علی بعض الا مجلوداً فی حد او مجرماً فی شہادہ زور او ظنیناً فی ولاء او ورائہ(۳۹)

خدا کی تعریف کے بعد قضا ایک ضروری فرض ہے لوگوں کو اپنے حضور میں، اپنی مجلس میں اور اپنے انصاف میں برابر رکھو تاکہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہو اور زور آور کو تمہاری رورعایت کی امید نہ پیدا ہو۔ جو شخص دعویٰ کرتا ہے۔ اس پر بار ثبوت ہے اور جو شخص منکر ہو اس پر قسم۔ صلح جائز ہے بشرطیکہ اس سے حرام حلال اور حلال حرام نہ ہونے پائے۔ کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو آج غور کے بعد اس سے رجوع کر سکتے ہو۔ جس مسئلہ میں شبہ ہو اور کتاب و سنت میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس میں غور کرو اور پھر غور کرو اور اس کی مثالوں اور نظیروں پر خیال کرو۔ پھر قیاس لگاؤ اور جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کے لئے ایک میعاد مقرر کردو اگر وہ ثبوت دے دے تو اس کا حق دو۔ ورنہ مقدمہ خارج۔ مسلمان سب ثقہ ہیں باستثنائے ان اشخاص کے جن کو حد کی سزا میں درے لگائے گئے ہیں یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دی ہو یا ولاء اور وراثت میں مشکوک ہوں۔

ابوموسیٰ اشعری ہی کو ایک مرتبہ لکھا۔

امابعد فتفقھوا فی السنۃ(۴۰)

اللہ کی تعریف کے بعد۔ تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم سنت کا فہم حاصل کرو۔

اسی طرح قاضی شریح کو ایک فرمان میں لکھا کہ مقدمات میں اول قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو، قرآن پاک میں وہ صورت مذکور نہ ہو تو حدیث اور حدیث نہ ہو تو اجماع (کثرت رائے) کے مطابق اور کہیں پتہ نہ لگے تو خود فیصلہ کرو۔ اصل الفاظ یہ ہیں:

---

(۳۹) علامہ شبلی نے یہ عبارت طبقات الفقہاء کے حوالے سے لکھی ہے اور یہ خط الفاظ کے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ سنن دار قطنی مطبوعہ ص ۵۱۲، عیون الاخبار ۱/۶۶، مطبوعہ مصر، البیان والتبیین ۲/۲۴ مطبوعہ مصر، اعلام الموقعین ۱/۷۱، ۲۷ مطبوعہ مصر، مبسوط سرخسی ۱۶/۶۰ مطبوعہ مصر، نصب الرایہ ۴/۸۱-۸۲، صبح الاعشیٰ ۱/۱۹۳-۱۹۴، مقدمہ ابن خلدون ۱/۱۸۴ اور کنز العمال ۳/۱۲۴ وغیرہ میں مفصل مذکور ہے۔

(۴۰) کنز العمال ۵/۲۲۸

عن شریح ان عمر بن الخطاب کتب ان جاء ک شئی فی کتاب اللہ فاقض به ولایلتفتک عنه الرجال فان جاءک مالیس فی کتاب اللہ فانظر سنة رسول اللہ فاقض بها فان جاءک مالیس فی کتاب اللہ ولم یکن فیه سنته من رسول اللہ فانظر ما اجتمع علیه الناس فخذبه فان جاءک مالیس فی کتاب اللہ ولم یکن فی سنة رسول اللہ ولم یتکلم فیه احد قبلک فاختر ای الامرین شئت ان شئت ان تجتهد برایک ثم تقدم فتقدم وان شئت ان تتاخر فتاخروا لا اری الناس التاخر لک[۴۱]

شریح روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب نے انھیں لکھا۔ اگر تمھیں کتاب اللہ میں کوئی حکم ملے تو اس کے مطابق فیصلہ کرو اور لوگ تمھیں اس سے نہ روک سکیں گے اگر کوئی ایسی چیز آئے جو کتاب اللہ میں نہیں، سنت رسول کو دیکھو اور اس کے مطابق فیصلہ کرو، اگر ایسا معاملہ ہو کہ کتاب اللہ میں بھی نہ ہو اور سنت رسول سے بھی پتہ نہ چلے تو لوگوں کے اجتماعی فیصلہ پر انحصار کرو اور اگر صورت حال ایسی ہو کہ کتاب اللہ سے بھی کچھ نہ ملے، سنت رسول سے بھی پتہ نہ چلے اور تجھ سے پہلے کسی شخص نے بھی کوئی بات نہ کی تو تمھیں دو معاملوں میں اختیار ہے۔ تم چاہو تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو تو پھر آگے بڑھو اور اگر چاہو تو گریز کرو اور میں اس گریز میں ہی تمہاری بھلائی سمجھتا ہوں۔

ان واقعات سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ فاروق اعظمؓ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ماخذ دین وشریعت سمجھتے تھے۔ آپ نے ہمیشہ قرآن کے بعد اور سنت سے پہلے سنت کا خصوصی تذکرہ کیا ہے۔ علامہ شبلی نے حدیث کے ضمن میں فاروقی مسلک کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں احادیث کے استقصاء کا خیال نہیں کیا گیا تھا۔ جس کو کوئی مسئلہ پیش آتا تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرلیتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ کسی ایک صحابی کو فقہ کے تمام ابواب کے متعلق حدیثیں محفوظ نہ تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں زیادہ ضرورتیں پیش آئیں اس لئے مختلف صحابہ سے استفسار کرنے کی ضرورت پیش آئی اور احادیث کے استقصاء کا راستہ نکلا۔ حضرت عمر کے زمانہ میں چونکہ زیادہ کثرت سے واقعات پیش آئے کیونکہ فتوحات کی وسعت اور نومسلموں کی کثرت نے سینکڑوں مسائل پیدا کردئے تھے اس لحاظ سے انھوں نے احادیث کی زیادہ تفتیش کی تاکہ یہ مسائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کے مطابق طے کیے جائیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب کوئی صورت پیش آتی تو حضرت عمرؓ مجمع عام میں اکثر صحابہ موجود ہوتے تھے پکار کرکہتے تھے کہ اس کے متعلق کسی کو کوئی حدیث معلوم

---

(۴۱) کنز العمال، ۱۷۴/۳

ہے؟ تکبیر جنازہ غسل جنابت، جزیہ، مجوس کی حیثیت اور اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جن کی نسبت احادیث میں نہایت تفصیل سے مذکور ہے کہ حضرت عمر نے مجمع صحابہ میں دریافت کر کے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ لگایا[۴۲]

حضرت عمرؓ کے احکام و قضایا آخری اور حتمی حیثیت رکھتے تھے وہ کسی طرح بھی یہ برداشت نہیں کرتے تھے کہ آپ ﷺ کے ارشادات واحکام کے مقابلے میں کسی اور انسان کی رائے کو کوئی اہمیت دی جائے۔ حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت عمرؓ کا جو مسلک تھا وہ سنت کے بارے میں آپ کے طرز فکر و عمل کی بنیاد ہے اس کا ثبوت وہ واقعہ بھی ہے جسے ابن کثیر نے نقل کیا ہے:

قال ابن ابی حاتم: حدثنا یونس بن عبدالاعلی قراءة اخبرنا ابن وهب، اخبرنی عبدالله بن ابی لهیعة، عن ابی الاسود قال اختصم رجلان الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقضی بینهما، فقال المقضی علیه: ردنا الی عمر بن الخطاب فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم نعم. انطلقا الیه فلما اتیا الیه فقال الرجل یاابن الخطاب قضی لی رسول الله صلی الله علیه وسلم علی هذا، فقال ردنا الی عمر بن الخطاب فردنا الیک فقال اکذاک، قال نعم. فقال عمر مکانکما حتی اخرج الیکما فاقضی بینکما فخرج الیهما مشملاً علی سیفه فضرب الذی قال ردنا الی عمر فقتله واد برالاخیرفاتی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال یارسول الله (صلی الله علیه وسلم) قتل عمر والله صاحبی ولولا انی اعجزته لقتلنی فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ماکنت اظن ان یجترئ عمر علی قتل مومن. فانزل الله "فلاربک لایومنون" الایه فهدردم ذلک الرجل وبریٔ عمر من قتله[۴۳]

"دو آدمی اپنا معاملہ رسول اللہ کی خدمت میں لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمادیا۔ جس کے خلاف فیصلہ ہوا اس نے کہا ہمیں عمرؓ بن الخطاب سے فیصلہ کروانے دیجیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ دونوں حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور ایک نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے جھگڑے کا فیصلہ کردیا، اور اب ان کی اجازت سے ہم اپنا معاملہ آپ کے پاس لائے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا واقعی یوں ہی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ٹھرو میں ابھی آکر فیصلہ کرتا ہوں۔ آپ گھر سے تلوار لے آئے اور اسے قتل

---

(۴۲) الفاروق۔، ۳۳۰

(۴۳) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۳۳۱/۲

کردیا۔ دوسرا آدمی بھاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔ تمام ماجرا بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں بھاگ آیا ہوں ورنہ وہ مجھے بھی قتل کردیتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمر کے بارے میں ایسا گمان نہیں رکھتا کہ وہ ایک مومن کو قتل کرنے کی جرأت کرے۔ اس پر اللہ تعالی نے یہ آیت فلاوربک لایومنون الخ نازل فرمائی۔ اس آدمی کا خون معاف کردیا گیا اور حضرت عمرؓ بری قرار پائے"

اسی طرح اور بھی واقعات ہیں جن سے حضرت عمرؓ کا رد یہ حدیث متعین ہوتا ہے۔

ب۔ روایت حدیث میں حضرت عمرؓ کا مقام

اب دوسرے امر کا جائزہ لیں کہ کیا حضرت عمرؓ نے خود بھی احادیث بیان کی ہیں؟ اگر ان کی روایات بھی ثابت ہوجائیں تو پھر اس امر میں کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ حضرت عمرؓ منکر حدیث نہ تھے۔ علامہ ابن حزمؒ نے "جوامع السیرۃ" میں ترتیب وار ان صحابہ کرامؓ کی فہرست دی ہے جنہوں نے مختلف تعداد میں احادیث کی روایت کی ہے۔ ابن حزمؒ کے بیان کے مطابق حضرت عمرؓ کی روایات پانچ سو ہیں۔ علامہ شبلی نے "الفاروق" میں حضرت عمرؓ کی خدمات حدیث سے بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر ان کی مرویات کی کاٹ چھانٹ بھی کردی جائے تو بھی کم از کم ستر مرفوع احادیث باقی رہ جاتی ہیں اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا حدیث کے متعلق کیا رویہ تھا۔ علامہ شبلی کمی حدیث والی حدیث کو غلط فہمی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عام غلط فہمی یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی روایات کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ انہوں نے اس موقعہ پر شاہ ولی اللہ محدث دھلوی کا حوالہ بھی دیا کہ شاہ صاحب "ازالۃ الخفاء" میں بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی روایات ستر ہیں۔ شاہ صاحب کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے قرآن پاک کی تعبیر و تشریح اور احکام و مسائل کی توضیح و تبیین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے استدلال کیا ہے اور ایسے استدلالات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ نیز یہ عام فقیہانہ دور اندیشی اور محدثانہ جرح و تعدیل کے سانچوں سے نکلے ہوئے اقوال ہیں۔

اشاعت حدیث میں آپ کی دلچسپی، حفاظت حدیث کے ضمن میں آپ کے حکیمانہ طرز عمل اور روایت حدیث میں آپ کا طریق اس امر کی بین شہادت ہے کہ آپ حدیث کے بارے میں وہ نقطہ نظر نہیں رکھتے تھے جسے ہمارے متجددین آپ کی طرف منسوب کررہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نہ صرف خود روایت کرتے تھے بلکہ حدیث معلوم ہونے پر اپنی رائے واپس لے لیتے تھے مثلاً حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ بیوی کو اپنے شوہر کی دیت سے وراثت نہ ملنی چاہیے لیکن جب ضحاک بن سفیانؓ نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت زوج سے بھی وراثت

دلوائی ہے تو حضرت عمرؓ نے اپنے قول سے رجوع فرمالیا۔ اسی طرح مجوس سے جزیہ لینے کے متعلق بھی حضرت عمرؓ کو تردد تھا لیکن جب عبد الرحمن بن عوفؓ نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس سے جزیہ لیا ہے تو آپ نے اپنے خیال سے رجوع کرلیا۔ طاؤس روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے اعلان فرمایا کیا کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کچھ سنا ہے کہ جھگڑے میں کسی عورت کا حمل ساقط ہوجائے تو اس کی جزا کیا دینی چاہیے؟ تو حمل بن مالکؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ ایک مرتبہ دو عورتوں میں لڑائی ہوگئی، ایک نے دوسرے کے خیمے کی چوب ماری جس کی صدمے سے دوسری عورت کا حمل ساقط ہوگیا۔ مقدمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا تو آپ نے اس پر پانچ سو درہم بطور دیت لازم فرمائے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر ہم یہ حدیث نہ سنتے اور اپنی رائے سے فیصلہ کرتے تو شاید اس کے خلاف فیصلہ کرتے۔ حضرت ابو بکرؓ نے جب مانعین زکوٰۃ سے قتال کا ارادہ فرمایا تو حضرت عمرؓ اس میں مانع ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے حدیث سے اپنے اقدام پر استدلال کیا تو حضرت عمرؓ نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا۔(۴۴)

اس مختصر تجزیے سے یہ بات ازخود ثابت ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ دراصل محتاط روش کے بزرگ تھے۔ ورنہ روایت حدیث سے مطلقاً منع نہ کرتے تھے۔ روایت حدیث سے مطلقاً منع کرنا آپ کی شان سے بعید ہے۔

---

(۴۴) یہ تمام واقعات کتب سنن مشہورہ میں موجود ہیں۔ اور امام شافعیؒ نے باسناد روایت کیا ہے۔